پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا تحقیقی مطالعہ
(نہج البلاغہ کے آئینے میں)

ڈاکٹر جواد حیدر ہاشمی[1]
drjawadhaider@yahoo.com

کلیدی کلمات: پیغمبر اکرم ﷺ، حضرت علی، سیرت، بعثت، ختم نبوت، اسوۂ حسنہ، تبلیغ

خلاصہ

زمانہ رسالت کے بعد کے انسانوں کے لئے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت سے آشنائی کے صرف دو ہی راستے ہیں: قرآن اور اہلبیتؑ و صحابہ کرامؓ کے فرامین۔ اہل بیت اطہار کی اہم ترین شخصیت حضرت علیؑ ہیں جو اپنی ولادت سے لے کر وصال نبی ﷺ تک ہر ہر لحہ اور زندگی کے ہر اہم موڑ پر پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ نے آنحضرت ﷺ پر پہلی بار وحی نازل ہوتے ہوئے بھی دیکھا اور وصال کے موقع پر اور اس کے بعد غسل وکفن اور لحد میں اتارنے کے موقع تک، غرض یہ کہ زندگی کے ہر موڑ پر حضور اکرم ﷺ کی قرابت اور رفاقت کا شرف آپ کو حاصل رہا۔ آپ کی تربیت اور پرورش حضور اکرم ﷺ نے فرمائی، کیونکہ بچپن ہی میں آنحضرت ﷺ نے آپ کو اپنے گھر منتقل فرمایا اور آپ کو اپنی خاص شفقت اور توجہ سے نوازا۔ لہٰذا حضرت علیؑ وہ ذات ہے جو ہمیں کماحقہ پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا صحیح تعارف کرا سکتی ہے۔ اس مقالے میں حضرت علیؑ کی زبان سے جاری فرامین کے ذریعے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے بعض پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ امام علیؑ نے نہج البلاغہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کے پاکیزہ نسب سے لے کر آپؐ کے اخلاق حسنہ اور حسن معاشرت کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ کہیں آپؐ کے فضائل ومناقب بیان کئے ہیں تو کہیں آپؐ کی بعثت کے اہداف ومقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح کہیں جہالت وگمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو ہدایت ونور علم سے منور کرنے کے سلسلے میں آپؐ کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کیا ہے۔

مقدمہ

زمانہ رسالت کے بعد آنے والے انسانوں کے پاس حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت سے آشنائی کے صرف دو ہی راستے ہیں۔
۱۔ قرآن ۲۔ اہلبیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے فرامین۔

سب سے پہلے تو ہم قرآن کریم کی ان آیتوں کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور آپ کی شخصیت سے آشنائی حاصل کر سکتے ہیں جن میں آپ ﷺ کا تذکرہ آیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ یقیناً آپ ﷺ سے آشنائی کا سب سے بہترین اور سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ ہے۔

اس کے بعد اہلبیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمودہ ارشادات ہمارا دوسرا اور آخری مرجع ہے کہ جس کے ذریعے ہم آپ ﷺ کی ذات گرامی سے آشنائی حاصل کر سکتے ہیں۔ تاریخ بھی انہی کے ذریعے ہم تک پہنچی، چنانچہ اب تک تاریخ اور سیرت کی جتنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے ان سب کا مرجع یہی دو تھے۔

قرآن کریم کے بعد دوسرے ذریعے سے لیے گئے معلومات کی صداقت کا معیار یقیناً ان کے نقل کرنے والوں کے میزانِ صداقت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اہلبیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے تمام افراد نقل اور بیان کے اعتبار سے ایک ہی پیمانے پر پورا نہیں اترتے ہوں گے۔ اُن میں یقیناً فطری طور پر کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا۔ تو اس بناء پر بہت سارے دلائل کی بنیاد پر کہ جن کا ذکر متعلقہ کتابوں میں موجود ہے یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم کے بعد حضور اکرم ﷺ کی سیرت سے آشنائی کا سب سے قابل اعتماد ذریعہ

[1] ۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

حضرت علیؑ کی ذات گرامی ہے، چونکہ آپ کو سب سے زیادہ حضور کی رفاقت اور قربت کا شرف حاصل رہا ہے۔ جب ہم حضرت علیؑ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں حضرت علیؑ ہی وہ واحد ذات ہے جو اپنی ولادت سے لے کر وصال نبی ﷺ تک ہر ہر لمحہ اور زندگی کے ہر اہم موڑ پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ نے آنحضرت ﷺ پر پہلی بار وحی نازل ہوتے ہوئے بھی دیکھا اور وصال کے موقع پر اور اس کے بعد غسل و کفن اور لحد میں اتارنے کے موقع تک، غرض یہ کہ زندگی کے ہر موڑ پر حضور اکرم ﷺ کی قرابت اور رفاقت کا شرف آپ کو حاصل رہا۔ آپ کی تربیت اور پرورش حضور اکرم ﷺ نے فرمائی، کیونکہ بچپن ہی میں آنحضرت ﷺ نے آپ کو اپنے گھر منتقل فرمایا اور آپ کو اپنی خاص شفقت اور توجہ سے نوازا۔ لہٰذا حضرت علیؑ ہی وہ ذات ہے جو ہمیں کما حقہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا صحیح تعارف کرا سکتی ہے۔

حضرت علیؑ خطبہ قاصعہ کے نام سے مشہور اپنے خطبے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی خاص نسبت اور قرابت کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

وَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِي مِنْ رَسُولِ اللهِ (ص) بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَ الْمَنْزِلَةِ الْخَصِيصَةِ وَضَعَنِي فِي حِجْرِهِ وَ أَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِي إِلَى صَدْرِهِ وَ يَكْنُفُنِي فِي فِرَاشِهِ وَ يُمِسُّنِي جَسَدَهُ وَ يُشِمُّنِي عَرْفَهُ وَ كَانَ يَمْضَغُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيهِ وَ مَا وَجَدَ لِي كَذْبَةً فِي قَوْلٍ وَ لَا خَطْلَةً فِي فِعْلٍ وَ لَقَدْ قَرَنَ اللهُ بِهِ ص مِنْ لَدُنْ أَنْ كَانَ فَطِيماً أَعْظَمَ مَلَكٍ مِنْ مَلَائِكَتِهِ يَسْلُكُ بِهِ طَرِيقَ الْمَكَارِمِ وَ مَحَاسِنَ أَخْلَاقِ الْعَالَمِ لَيْلَهُ وَ نَهَارَهُ وَ لَقَدْ كُنْتُ أَتَّبِعُهُ اتِّبَاعَ الْفَصِيلِ أَثَرَ أُمِّهِ يَرْفَعُ لِي فِي كُلِّ يَوْمٍ مِنْ أَخْلَاقِهِ عَلَماً وَ يَأْمُرُنِي بِالِاقْتِدَاءِ بِهِ وَ لَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِي كُلِّ سَنَةٍ بِحِرَاءَ فَأَرَاهُ وَ لَا يَرَاهُ غَيْرِي وَ لَمْ يَجْمَعْ بَيْتٌ وَاحِدٌ يَوْمَئِذٍ فِي الْإِسْلَامِ غَيْرَ رَسُولِ اللهِ ص وَ خَدِيجَةَ وَ أَنَا ثَالِثُهُمَا أَرَى نُورَ الْوَحْيِ وَ الرِّسَالَةِ وَ أَشُمُّ رِيحَ النُّبُوَّةِ۔ (1)

یعنی: "تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام اُن کے نزدیک کیا تھا میں بچہ ہی تھا کہ رسول ﷺ نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔ اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے۔ بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اُس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا، اور میں اُن کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (کوہ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور (ام المومنین) خدیجہؑ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ تیسرا اُن میں میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔"

شجرۂ نبوت کی پاکی اور اُس کی خصوصیات

یقیناً حضور اکرم ﷺ کا نسب سب سے پاکیزہ نسب ہے، اور آپؐ کی خلقت پاکیزہ ترین ہے۔ حضرت امام علیؑ کئی مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی پاک خلقت اور پاکیزہ نسب کا بہترین ادب اور احترام کے پیرائے میں تذکرہ فرماتے ہیں۔ ایک مقام پر امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

كُلَّمَا نَسَخَ اللهُ الْخَلْقَ فِرْقَتَيْنِ جَعَلَهُ فِي خَيْرِهِمَا لَمْ يُسْهِمْ فِيهِ عَاهِرٌ وَ لَا ضَرَبَ فِيهِ فَاجِرٌ؛ (2)

یعنی: "شروع سے انسانی نسل میں جہاں جہاں پر سے شاخیں الگ ہوئیں ہر منزل میں وہ شاخ جس میں اللہ نے آپؐ کو قرار دیا تھا دوسری شاخوں سے بہتر ہی تھی۔ آپؐ کے نسب میں کسی بدکردار کا ساجھا اور کسی فاسق کی شرکت نہیں۔"

ایک اور مقام پر امامؑ فرماتے ہیں: اخْتَارَهُ مِنْ شَجَرَةِ الْأَنْبِيَاءِ وَ مِشْكَاةِ الضِّيَاءِ وَ ذُؤَابَةِ الْعَلْيَاءِ وَ سُرَّةِ الْبَطْحَاءِ وَ مَصَابِيحِ الظُّلْمَةِ وَ يَنَابِيعِ الْحِكْمَةِ؛ (3) یعنی: "اللہ نے انہیں انبیاء کے شجرہ، روشنی کے مرکز (آل ابراہیم)، بلندی کی جبین (قریش)، بطحا کی ناف (مکہ) اور اندھیرے کے چراغوں اور حکمت کے سرچشموں سے منتخب کیا۔"

ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ کی پاک اور بابرکت ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِلَى أَنْ بَعَثَ اللهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّداً رَسُولَ اللهِ ص لِإِنْجَازِ عِدَتِهِ وَ إِتْمَامِ نُبُوَّتِهِ مَأْخُوذاً عَلَى النَّبِيِّينَ مِيثَاقُهُ مَشْهُورَةً سِمَاتُهُ كَرِيماً مِيلَادُهُ؛ (4)

یعنی: "یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لئے محمد ﷺ کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا۔ جن کے علامات (ظہور) مشہور، محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔"

ایک اور خطبے میں امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کے شجرے کو بہترین شجرہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ابْتَعَثَهُ بِالنُّورِ الْمُضِيءِ وَ الْبُرْهَانِ الْجَلِيِّ وَ الْمِنْهَاجِ الْبَادِي وَ الْكِتَابِ الْهَادِي أُسْرَتُهُ خَيْرُ أُسْرَةٍ وَ شَجَرَتُهُ خَيْرُ شَجَرَةٍ أَغْصَانُهَا مُعْتَدِلَةٌ وَ ثِمَارُهَا مُتَهَدِّلَةٌ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ وَ هِجْرَتُهُ بِطَيْبَةَ؛ (5)

یعنی: اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو چمکتے ہوئے نور، روشن دلیل، کھلی ہوئی راہ شریعت اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا، ان کا قوم و قبیلہ بہترین قوم و قبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے کہ جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے۔

ایک اور مقام پر امیر المومنینؑ، حضور اکرم ﷺ کے پاک نسب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں: حَتَّى أَفْضَتْ كَرَامَةُ اللهِ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى إِلَى مُحَمَّدٍ ص فَأَخْرَجَهُ مِنْ أَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتاً وَ أَعَزِّ الْأَرُومَاتِ مَغْرِساً مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِي صَدَعَ مِنْهَا أَنْبِيَاءَهُ وَ انْتَجَبَ مِنْهَا أُمَنَاءَهُ؛ (6)

یعنی: یہ الٰہی شرف (رسالت) محمد ﷺ تک پہنچا جنہیں ایسے معدنوں سے کہ جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسی اصلوں سے کہ جو نشو ونما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں، پیدا کیا۔ اس شجر سے کہ جس سے انبیاء پیدا کئے اور جس سے امین منتخب فرمائے۔

حضور اکرم ﷺ کائنات کی افضل ترین ہستی

حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور کائنات کی افضل ترین ہستی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالمین میں سے صرف آپؐ کو ختم رسالت کے عظیم مرتبے کے لئے انتخاب فرمایا، اور آپؐ کے ذریعے اپنے دین اور اپنی نعمتوں کو مکمل اور اس پر اپنی رضایت کا اعلان فرمایا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کائنات میں آپ ﷺ سے افضل ہستی کوئی اور ہو۔ حضرت امام علیؑ نے اپنے خطبات میں متعدد مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی افضلیت اور برتری کو مختلف تعبیروں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ایک مقام پر امام علیؑ فرماتے ہیں: وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ وَ نَجِيبُهُ وَ صَفْوَتُهُ لَا يُؤَازَى فَضْلُهُ وَ لَا يُجْبَرُ فَقْدُهُ؛ (7)

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد و رسول اور منتخب و برگزیدہ ہیں، نہ ان کے فضل و کمال کی برابری اور نہ ان کے اٹھ جانے کی تلافی ہو سکتی ہے۔

یعنی ان کے فضل و کمال کی کوئی شخص برابری نہیں کر سکتا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سب سے افضل ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا: وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ وَ سَيِّدُ عِبَادِهِ؛ (8) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول اور بندوں کے سید و سردار ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: أَرْسَلَهُ بِالضِّيَاءِ وَ قَدَّمَهُ فِي الِاصْطِفَاءِ؛ اللہ نے انہیں روشنی کے ساتھ بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا۔

ایک اور مقام پر آپؐ کو تمام پرہیزگاروں کا امام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَهُوَ إِمَامُ مَنِ اتَّقَى وَ بَصِيرَةُ مَنِ اهْتَدَى سِرَاجٌ لَمَعَ ضَوْؤُهُ وَ شِهَابٌ سَطَعَ نُورُهُ وَ زَنْدٌ بَرَقَ لَمْعُهُ؛ (9)

یعنی: وہ پرہیزگاروں کے امام، ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے (سرچشمہ) بصیرت ہیں۔ وہ ایسا چراغ ہیں کہ جس کی روشنی لو دیتی ہے، اور ایسا روشن ستارہ جس کا نور ضیا پاش، اور ایسا چقماق، جس کی ضو شعلہ فشاں ہے۔۔۔

آپؐ نہ صرف پرہیزگار ہیں بلکہ پرہیزگاروں کے امام ہیں۔ دنیا میں جتنے انبیاء اور اوصیاء کرام تشریف لائے ہیں وہ سب یقیناً پرہیزگاری کے نہایت اعلی مراتب پر تھے، لیکن امام علیؑ کے اس فرمان کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ ان تمام پرہیزگاروں کے بھی امام ہیں۔

امام علیؑ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ثُمَّ اخْتَارَ سُبْحَانَهُ لِمُحَمَّدٍ ص لِقَاءَهُ وَ رَضِيَ لَهُ مَا عِنْدَهُ وَ أَكْرَمَهُ عَنْ دَارِ الدُّنْيَا وَ رَغِبَ بِهِ عَنْ مَقَامِ الْبَلْوَى فَقَبَضَهُ إِلَيْهِ كَرِيماً ص؛ (10)

یعنی: اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو اپنے لقاء قرب کے لیے چنا، اپنے خاص انعامات آپؐ کے لیے پسند فرمائے اور دار دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپؐ کے رخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپؐ کو اٹھالیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے اوپر اپنی خاص نعمتیں نازل فرمائی ہیں، اُن میں سے سب سے اہم ترین نعمت یہ ہے کہ اللہ نے آپؐ کو مقام نبوت اور رسالت کے لئے انتخاب فرمایا اور آپؐ کو تمام انبیاء کا خاتم قرار دیا۔ اور یہ اتنا عظیم مقام و منزلت ہے کہ کوئی بھی اس میں آپؐ کی برابری نہیں کر سکتا۔ امام علیؑ ایک اور خطبے میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: أَرْسَلَهُ بِالضِّيَاءِ وَ قَدَّمَهُ فِي الِاصْطِفَاءِ؛ (11) اللہ نے انہیں روشنی کے ساتھ بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا۔

امام علیؑ اپنے ایک خطبے میں آنحضرت ﷺ کو زندگی کے ہر اسٹیج پر ہر اعتبار سے افضل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: حَتَّى بَعَثَ اللهُ مُحَمَّداً ص شَهِيداً وَ بَشِيراً وَ نَذِيراً خَيْرَ الْبَرِيَّةِ طِفْلًا وَ أَنْجَبَهَا كَهْلًا وَ أَطْهَرَ الْمُطَهَّرِينَ شِيمَةً وَ أَجْوَدَ الْمُسْتَمْطَرِينَ دِيمَةً؛ (12)

یعنی: اللہ نے محمد ﷺ کو اس حال میں بھیجا کہ وہ گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تھے جو بچپنے میں بھی بہترین خلائق اور سن رسیدہ ہونے پر بھی شرف کائنات تھے اور پاک لوگوں میں خوخصلت (اخلاق) کے اعتبار سے پاکیزہ تر (سب سے زیادہ پاکیزہ) اور جود و سخا میں ابر صفت برسائے جانے والوں میں سب سے زائد لگاتار برسنے والے تھے۔

اس فرمان میں حضرت علیؑ نے حضور اکرم ﷺ کو زندگی کے تمام مراحل میں افضل ترین مخلوق قرار دیا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ﷺ مقام نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی افضل ترین اور ہر اعتبار سے پاکیزہ ترین انسان تھے۔ اب مولاؑ کے اس فرمان سے بعض لوگوں کے اس اعتراض اور شبہے کی مکمل نفی ہو جاتی ہے جس میں وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کو اعلان رسالت سے پہلے باقی عام لوگوں کی مانند قرار دیتے ہیں اور اُن سے مختلف غلطیوں اور گناہوں کے سرزد ہونے کو جائز سمجھتے ہیں، بلکہ حقیقت وہی ہے کہ جس کا اظہار حضرت علیؑ نے اپنے اس خطبے میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ بچپنے سے لے کر سن رسیدہ ہونے تک زندگی کے ہر مرحلے پر بہترین خلائق اور شرف کائنات تھے اور اخلاق کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ ﷺ کی حقیقی شان یہی ہے۔

ایک اور مقام پر آنحضرت ﷺ کی افضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مُسْتَقَرُّهُ خَيْرُ مُسْتَقَرٍّ وَ مَنْبِتُهُ أَشْرَفُ مَنْبِتٍ؛ (13) یعنی :بزرگی اور شرافت کے معدنوں اور پاکیزگی کی جگہوں میں ان کا مقام بہترین مقام اور مرزیوم بہترین مرزیوم (ان کی محل پرورش اور ان کا خاندان بہترین ہے) ہے۔

حضرت علیؑ کے اقوال کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات کائنات کی افضل ترین ذات ہے اور ان کا خاندان بہترین خاندان ہے، ان کا اخلاق سب سے اچھا اور پاکیزہ ہے اور زندگی کے ہر مرحلے پر آپ ﷺ ان صفات سے متصف تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا ہدف اور مقصد

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر آنحضرت ﷺ کی بعثت کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ ایک مقام پر آپ ﷺ کی بعثت کو انسانیت پر احسان قرار دیتے ہوئے فلسفہ بعثت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُبِينٍ۔ (14)

ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

ایک اور آیت میں عدل کے قیام کو بعثت کا فلسفہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (15)

یعنی: بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں۔

ایک اور آیت میں توحید اور یکتا پرستی کو بعثت کا ہدف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ۔ (16)

اور بتحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو، پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض کے ساتھ ضلالت پیوست ہو گئی، لہٰذا تم لوگ زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا تھا۔

ایک اور مقام پر آیات الٰہی کے بیان کو بعثت کا ہدف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (17)

یعنی: اور (اے رسول) آپ پر بھی ہم نے ذکر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتا دیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور شاید وہ (ان میں) غور کریں۔

ان آیات کریمہ کے اندر نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے جو اہداف بیان ہوئے ہیں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنانا، کتاب و حکمت کی تعلیم دینا، عدل قائم کرنا، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرانا اور طاغوت سے اجتناب کروانا شامل ہے۔ جب امیر المؤمنین امام علیؑ کے اقوال میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے فلسفے کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں بھی یہی اہداف اور فلسفے دوسرے الفاظ اور تعبیروں کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے فلسفہ کو اپنے ایک خطبے کے اندر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ الْمُجْتَبَى مِنْ خَلَائِقِهِ وَ الْمُعْتَامُ لِشَرْحِ حَقَائِقِهِ وَ الْمُخْتَصُّ بِعَقَائِلِ كَرَامَاتِهِ وَ الْمُصْطَفَى لِكَرَائِمِ رِسَالَاتِهِ وَ الْمُوَضَّحَةُ بِهِ أَشْرَاطُ الْهُدَى وَ الْمَجْلُوُّ بِهِ غِرْبِيبُ الْعَمَى؛ (18)

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں اور مخلوقات میں منتخب، بیان شریعت کے لیے برگزیدہ، گراں بہا بزرگیوں سے مخصوص، اور عمدہ پیغاموں (کے پہنچانے) کے لئے منتخب ہیں۔ آپ کے ذریعہ سے ہدایت کے نشانات روشن کئے گئے اور گمراہیوں کی تیرگیوں کو چھانٹا گیا۔

اس خطبے میں امام علیؑ نے اللہ تعالی کی شریعت اور اُس کے الٰہی پیغام کو بندوں تک پہنچانے کو بعثت نبوی کا اصلی ہدف قرار دیا ہے۔ اور نیز ضمناً یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نجات دلا کر راہِ ہدایت پر لگانا بھی بعثت نبوی کے اہداف میں شامل ہے۔

ایک اور خطبے میں امیر المومنین احکام الٰہی کے نفاذ، اتمام حجت اور عذابِ الٰہی سے لوگوں کے ڈرانے کو بعثت نبوی کا ہدف قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً ص عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ لِإِنْفَاذِ أَمْرِهِ وَ إِنْهَاءِ عُذْرِهِ وَ تَقْدِيمِ نُذُرِهِ؛ (19)

یعنی: اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد و رسول ہیں۔ جنہیں احکام کے نفاذ اور حجت کے اتمام اور عبرتناک واقعات پیش کرنے سے پہلے متنبہ کر دینے کے لئے بھیجا۔

یہ بات واضح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دین کے تمام احکام امت تک پہنچا دیئے ہیں لہٰذا گویا اللہ تعالی اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ حجت الوداع کے موقع پر اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ وَ اللهِ مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَ قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَ مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَ يُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا وَ قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ؛ (20)

یعنی: اے لوگو! اللہ کی قسم کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جو تمہیں جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرتا ہو مگر یہ کہ اس کے بجالانے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے، اسی طرح کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جو تمہیں جہنم کے قریب اور جنت سے دور کرتا ہو مگر یہ کہ اس سے باز رہنے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔

ایک اور مقام پر امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالدِّينِ الْمَشْهُورِ وَ الْعَلَمِ الْمَأْثُورِ وَ الْكِتَابِ الْمَسْطُورِ وَ النُّورِ السَّاطِعِ وَ الضِّيَاءِ اللَّامِعِ وَ الْأَمْرِ الصَّادِعِ إِزَاحَةً لِلشُّبُهَاتِ وَ احْتِجَاجاً بِالْبَيِّنَاتِ وَ تَحْذِيراً بِالْآيَاتِ وَ تَخْوِيفاً بِالْمَثُلَاتِ؛ (21)

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں جنہیں شہرت یافتہ دین، منقول شدہ نشان، لکھی ہوئی کتاب، ضوفشاں نور، چمکتی ہوئی روشنی اور فیصلہ کن امر کے ساتھ بھیجا تاکہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے، اور دلائل (کے زور) سے حجت تمام کی جائے، آیتوں کے ذریعے ڈرایا جائے اور عقوبتوں سے خوفزدہ کیا جائے۔

اس خطبے میں امیر المومنینؑ نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے چار اہداف بیان فرمائے ہیں۔ پہلا شکوک و شبہات کا ازالہ، یعنی لوگوں کے اذہان میں اللہ تعالی کے بارے میں یا اُس کے مظاہر کے بارے میں جو شکوک و شبہات ہیں اُن کا ازالہ کرنا حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے اہداف میں

شامل ہے۔ دوسرا دلائل کے ذریعے حجت تمام کرنا، یعنی روشن دلیلوں اور براہین کے ذریعے لوگوں کو ہدایت حاصل کرنے کے تمام راستوں کی نشاندہی فرمانا تاکہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہیں وہ ہدایت حاصل کرلیں اور

جو راہِ ہدایت سے دور بھاگ جائیں اُن کے لیے بھی حجت تمام ہو جائے، اور عذر کا کوئی راستہ باقی نہ رہ جائے۔ تیسرا آیتوں کے ذریعے ڈرانا اور چوتھا عقوبتوں سے خوفزدہ کرنا، یعنی سابقہ انبیاء کرامؑ کی نافرمان قوموں کے اوپر نازل ہونے والے عذابِ الٰہی کا تذکرہ کرکے انہیں اللہ کی نافرمانی کے بُرے نتائج سے ڈرانا بھی آنحضرت ﷺ کی بعثت کے اہداف میں شامل ہے۔

جہالت اور گمراہی سے لوگوں کو نجات دلا کر راہ ہدایت پر گامزن کرنے والی ذات

لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں اور گمراہی سے نکالنے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی زحمتوں اور محنتوں کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک عصر بعثت یا اس سے ذرا پہلے کے حالات کا علم نہ ہو جائے۔ اس لیے پہلے ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے کے حالات کا ذرا جائزہ لیا جائے تاکہ عالم انسانیت کے اوپر بعثت کے بعد آپؐ کے احسانات کا اندازہ لگایا جاسکے۔ نہج البلاغہ میں ہی متعدد مقامات پر امیر المومنینؑ نے اس زمانے کی ناگفتہ بہ حالات کا بار بار تذکرہ فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو یاد دلایا جائے کہ وہ کن جاہلانہ عادات اور رسومات میں مبتلا تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اس اندھیرے سے نکال کر راہ ہدایت پر لگالیا۔

عصر بعثت کے موقع پر عرب کے تاریک حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ بَعَثَ مُحَمَّداً ص بِالْحَقِ حِينَ دَنَا مِنَ الدُّنْيَا الِانْقِطَاعُ وَ أَقْبَلَ مِنَ الْآخِرَةِ الِاطِّلَاعُ وَ أَظْلَمَتْ بَهْجَتُهَا بَعْدَ إِشْرَاقٍ وَ قَامَتْ بِأَهْلِهَا عَلَى سَاقٍ وَ خَشُنَ مِنْهَا مِهَادٌ وَ أَزِفَ مِنْهَا قِيَادٌ فِي انْقِطَاعٍ مِنْ مُدَّتِهَا وَ اقْتِرَابٍ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَ تَصَرُّمٍ مِنْ أَهْلِهَا وَ انْفِصَامٍ مِنْ حَلْقَتِهَا وَ انْتِشَارٍ مِنْ سَبَبِهَا وَ عَفَاءٍ مِنْ أَعْلَامِهَا وَ تَكَشُّفٍ مِنْ عَوْرَاتِهَا وَ قِصَرٍ مِنْ طُولِهَا جَعَلَهُ اللهُ بَلَاغاً لِرِسَالَتِهِ وَ كَرَامَةً لِأُمَّتِهِ وَ رَبِيعاً لِأَهْلِ زَمَانِهِ وَ رِفْعَةً لِأَعْوَانِهِ وَ شَرَفاً لِأَنْصَارِهِ؛ (22)

یعنی: اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو اُس وقت حق کے ساتھ مبعوث کیا جبکہ فنا نے دنیا کے قریب ڈیرے ڈال دیئے اور آخر سر پر منڈلانے لگی۔ اس کی رونقوں کا اجالا اندھیرے سے بدلنے لگا۔ اور اپنے رہنے والوں کے لئے مصیبت بن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا فرش درشت اور ناہموار ہو گیا اور فنا کے ہاتھوں میں باگ ڈور دینے کے لئے آمادہ ہو گئی یہ اس وقت کہ جب اس کی مدت اختتام پذیر اور (فنا کی) علامتیں قریب آ گئیں۔ اس کے بسنے والے تباہ اور اس کے حلقے کی کڑیاں الگ ہونے لگیں۔ اُس کے بندھن پراگندہ اور نشانات بوسیدہ ہو گئے اُس کے عیب کھلنے اور پھیلے ہوئے دامن سمٹنے لگے۔ اللہ نے ان کو پیغام رسانی اور امت کی سرفرازی کا ذریعہ، اہل عالم کے لئے بہار اور یار و انصار کی رفعت و عزت کا سبب قرار دیا۔

ایک اور خطبے میں اسلام سے پہلے عربوں کی بُری حالت زار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً ص نَذِيراً لِلْعَالَمِينَ وَ أَمِيناً عَلَى التَّنْزِيلِ وَ أَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلَى شَرِّ دِينٍ وَ فِي شَرِّ دَارٍ مُنِيخُونَ بَيْنَ حِجَارَةٍ خُشْنٍ وَ حَيَّاتٍ صُمٍّ تَشْرَبُونَ الْكَدِرَ وَ تَأْكُلُونَ الْجَشِبَ وَ تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَ تَقْطَعُونَ أَرْحَامَكُمُ الْأَصْنَامُ فِيكُمْ مَنْصُوبَةٌ وَ الْآثَامُ بِكُمْ مَعْصُوبَةٌ؛ (23)

یعنی: اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں کو (ان کی بداعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔ اے گروہِ عرب اُس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں اور کھردرے پتھروں میں رہتے تھے اور زہریلے سانپوں کے ساتھ تم بود و

باش رکھتے تھے۔ بت تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔ امامؑ کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ قبل از بعثت عرب کے لوگ صرف دینی اور فکری انحراف کا شکار نہیں تھے بلکہ ثقافتی اور تمدنی لحاظ سے بھی انتہائی پستی کا شکار تھے۔

امام علیؑ اپنے بعض خطبوں میں بعثت سے پہلے عربوں کی جاہلانہ اور مشرکانہ دینی و فکری حالت زار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ النَّاسُ فِي فِتَنٍ انْجَذَمَ فِيهَا حَبْلُ الدِّينِ وَ تَزَعْزَعَتْ سَوَارِي الْيَقِينِ وَ اخْتَلَفَ النَّجْرُ وَ تَشَتَّتَ الْأَمْرُ وَ ضَاقَ الْمَخْرَجُ وَ عَمِيَ الْمَصْدَرُ فَالْهُدَى خَامِلٌ وَ الْعَمَى شَامِلٌ عُصِيَ الرَّحْمَنُ وَ نُصِرَ الشَّيْطَانُ وَ خُذِلَ الْإِيمَانُ؛ (24)

یعنی: لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے، جہاں دین کے بندھن شکستہ، یقین کے ستون متزلزل، اصول مختلف اور حالات پراگندہ تھے۔ نکلنے کی راہیں تنگ و تاریک تھیں۔ ہدایت گمنام اور ضلالت ہمہ گیر تھی۔ (کھلے خزانوں) اللہ کی مخالفت ہوتی تھی اور شیطان کو مدد دی جا رہی تھی، ایمان بے سہارا تھا۔

پھر ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں:

إِلَى أَنْ بَعَثَ اللهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّداً رَسُولَ اللهِ ص لِإِنْجَازِ عِدَتِهِ وَ إِتْمَامِ نُبُوَّتِهِ مَأْخُوذاً عَلَى النَّبِيِّينَ مِيثَاقُهُ مَشْهُورَةً سِمَاتُهُ كَرِيماً مِيلَادُهُ وَ أَهْلُ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ مِلَلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَ أَهْوَاءٌ مُنْتَشِرَةٌ وَ طَرَائِقُ مُتَشَتِّتَةٌ بَيْنَ مُشَبِّهٍ لِلّٰهِ بِخَلْقِهِ أَوْ مُلْحِدٍ فِي اسْمِهِ أَوْ مُشِيرٍ إِلَى غَيْرِهِ فَهَدَاهُمْ بِهِ مِنَ الضَّلَالَةِ وَ أَنْقَذَهُمْ بِمَكَانِهِ مِنَ الْجَهَالَةِ؛ (25)

یعنی: یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد اور اتمامِ نبوت کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث کیا جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا، جن کے علامات (ظہور) مشہور، محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا، خواہشیں متفرق و پراکندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ کچھ اسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔

امام علیؑ کے ان خطبوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعثت سے پہلے عربوں کی حالت ہر لحاظ سے خراب تھی۔ یعنی ایک طرف جہاں وہ دینی اور مذہبی اعتبار سے انحراف کا شکار تھے تو دوسری طرف اخلاقی اور فکری اعتبار سے بھی جہالت کی انتہائی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ دینی و مذہبی اعتبار سے وہ لوگ مشرک اور بت پرست تھے، اور سابقہ انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو انہوں نے یکسر بھلا دیا تھا اور مختلف قسم کی بدعتوں کا شکار تھے، کھلے عام اللہ کی مخالفت اور شیطان کی اطاعت کرتے تھے۔

جب ہمیں بعثت سے پہلے عرب کی انتہائی ناگفتہ بہ حالات کا علم ہوا تو اب یہاں حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ذریعے سے اُس تاریک معاشرے میں آنے والے روشن انقلاب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا کہ کیسے اللہ کے رسول ﷺ نے عرب کے اُس جاہل معاشرے کو اپنی تعلیمات کے ذریعے راہ ہدایت پر لگا لیا، اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی پُر نور روشنیوں سے اُن کے دلوں کو منور فرمایا، شرک و بت پرستی سے نجات دلا کر ایک اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکانا سکھایا، مختلف بدعتوں سے چھٹکارا دلا کر صحیح اسلامی شعار کو زندہ کرنا سکھایا، غلط تہذیب و ثقافت کی پستیوں سے نکال کر اعلیٰ تہذیب و ثقافتی اقدار کا مالک بنا دیا، اور ضلالت و گمراہی سے نکال کر نجات کی منزل پر پہنچا دیا۔

امام علیؑ اپنے مختلف خطبوں میں اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت اور نجات کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

ایک خطبے میں امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً ص وَ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ الْعَرَبِ يَقْرَأُ كِتَاباً وَ لَا يَدَّعِي نُبُوَّةً فَسَاقَ النَّاسَ حَتَّى بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ وَ بَلَّغَهُمْ مَنْجَاتَهُمْ فَاسْتَقَامَتْ قَنَاتُهُمْ وَ اطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ؛ (26)

یعنی: اللہ نے محمد ﷺ کو اس وقت بھیجا کہ جب عربوں میں نہ کوئی کتاب (آسمانی) کا پڑھنے والا تھا نہ کوئی نبوت کا دعویدار۔ آپ نے ان لوگوں کو ان کے صحیح مقام پر اتارا، اور نجات کی منزل پر پہنچا دیا، یہاں تک کہ ان کے سارے خم جاتے رہے اور حالات محکم و استوار ہو گئے۔

ایک اور خطبے میں امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

أَضَاءَتْ بِهِ الْبِلَادُ بَعْدَ الضَّلَالَةِ الْمُظْلِمَةِ وَ الْجَهَالَةِ الْغَالِبَةِ وَ الْجَفْوَةِ الْجَافِيَةِ وَ النَّاسُ يَسْتَحِلُّونَ الْحَرِيمَ وَ يَسْتَذِلُّونَ الْحَكِيمَ يَحْيَوْنَ عَلَى فَتْرَةٍ وَ يَمُوتُونَ عَلَى كَفْرَةٍ؛ (27)

یعنی: تاریک گمراہیوں اور بھرپور جہالتوں اور سخت و درشت (خصلتوں) کے بعد شہروں (کے شہر) ان کی وجہ سے روشن و منور ہو گئے جبکہ لوگ حلال کو حرام اور مرد زیرک و دانا کو ذلیل سمجھتے تھے۔ نبیوں سے خالی زمانہ میں جیتے تھے اور گمراہیوں کی حالت میں مر جاتے تھے۔

ابن میثم بحرانی یہاں "الجهالة الغالبة" کی شرح میں لکھتے ہیں: اراد الجهل بالطریق الی الله تعالیٰ، و بکیفیّة المعاش مما بیّنه هو و کشفه بشریعته۔ (28) یعنی: جہالت سے مراد اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں اور زندگی گزارنے کے طور طریقوں سے ناواقفیت ہے، کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ یعنی اس زمانے کے لوگ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں سے بھی بالکل ناواقف تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے انہیں اس کی تعلیم دی۔

راہِ ہدایت ڈھونڈنے والوں کے لئے ہدایت کی روشنی عطا فرمانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حَتَّى أَوْرَى قَبَسَ الْقَابِسِ وَ أَضَاءَ الطَّرِيقَ لِلْخَابِطِ وَ هُدِيَتْ بِهِ الْقُلُوبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَ الْآثَامِ وَ أَقَامَ بِمُوضِحَاتِ الْأَعْلَامِ وَ نَيِّرَاتِ الْأَحْكَامِ؛ (29) یعنی: یہاں تک کہ انہوں نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکا دیئے (نورِ حق کو آشکار فرمایا)، اور اندھیرے میں بھٹکنے والے کے لئے راستہ روشن کر دیا۔ فتنوں فسادوں میں سرگرمیوں کے بعد دلوں نے آپؐ کی وجہ سے ہدایت پائی۔ انہوں نے راہ دکھانے والے نشانات قائم کئے (حق کا پرچم بلند کیا)، روشن و تابندہ احکام (نورانی احکام) جاری کئے۔

ایک اور خطبے میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حَتَّى أَوْرَى قَبَساً لِقَابِسٍ وَ أَنَارَ عَلَماً لِحَابِسٍ؛ (30) یہاں تک کہ آپؐ نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکائے اور (راستہ کھو کر) سواری کے روکنے والے کے لئے نشانات روشن کئے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: أَرْسَلَهُ بِالضِّيَاءِ وَ قَدَّمَهُ فِي الِاصْطِفَاءِ فَرَتَقَ بِهِ الْمَفَاتِقَ وَ سَاوَرَ بِهِ الْمُغَالِبَ وَ ذَلَّلَ بِهِ الصُّعُوبَةَ وَ سَهَّلَ بِهِ الْحُزُونَةَ حَتَّى سَرَّحَ الضَّلَالَ عَنْ يَمِينٍ وَ شِمَالٍ؛ (31)

یعنی: اللہ نے انہیں روشنی کے ساتھ بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا تو ان کے ذریعہ سے تمام پراکندیوں اور پریشانیوں کو دور کیا اور غلبہ پانے والوں پر تسلط جما لیا۔ مشکلوں کو سہل اور دشواریوں کو آسان بنایا یہاں تک کہ دائیں بائیں (افراط و تفریط) کی سمتوں سے گمراہی کو دور ہٹایا۔

حضور اکرم ﷺ کے ذریعے سے زمانہ جاہلیت کے مختلف فتنوں اور دشمنیوں کے خاتمے اور لوگوں کی ذلت کو عزت میں بدلنے کا تذکرہ کرتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں: دَفَنَ اللهُ بِهِ الضَّغَائِنَ وَ أَطْفَأَ بِهِ الثَّوَائِرَ أَلَّفَ بِهِ إِخْوَاناً وَ فَرَّقَ بِهِ أَقْرَاناً أَعَزَّ بِهِ الذِّلَّةَ وَ أَذَلَّ بِهِ الْعِزَّةَ؛ (32) یعنی: خدا نے ان

کی وجہ سے فتنے دبا دیئے، اور (عداوتوں کے) شعلے بجھا دیئے۔ بھائیوں میں الفت پیدا کی اور جو کفر میں اکٹھے تھے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ (اسلام کی) پستی اور ذلت کو عزت بخشی، اور (کفر کی) عزت و بلندی کو ذلیل کر دیا۔

امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کو ایسا طبیب قرار دیتے ہیں جو خود مریضوں کے علاج معالجے کے لئے اُن کی تلاش میں رہتا ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

طَبِيبٌ دَوَّارٌ بِطِبِّهِ قَدْ أَحْكَمَ مَرَاهِمَهُ وَ أَحْمَى مَوَاسِمَهُ يَضَعُ ذَلِكَ

حَيْثُ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ مِنْ قُلُوبٍ عُمْيٍ وَ آذَانٍ صُمٍّ وَ أَلْسِنَةٍ بُكْمٍ مُتَتَبِّعٌ بِدَوَائِهِ مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ وَ مَوَاطِنَ الْحَيْرَةِ؛ وہ ایک طبیب تھے جو اپنی حکمت و طب کو لئے ہوئے چکر لگا رہا ہو، اس نے اپنے مرہم ٹھیک ٹھاک کر لئے ہوں اور داغنے کے آلات تپا لئے ہوں۔ وہ اندھے دلوں، بہرے کانوں، گونگی زبانوں (کے علاج معالجے) میں جہاں ضرورت ہوتی ہے، ان چیزوں کو استعمال میں لاتا ہو، اور دوا لیے غفلت زدہ اور حیرانی و پریشانی کے مارے ہوؤں کی کھوج میں لگا رہتا ہو۔

زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی سب سے بڑی بیماری شرک و بت پرستی اور ہدایت سے دوری تھی۔ تو مولاؑ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ اُن لوگوں کے ایمان اور عقائد کی درستگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن مجید کی آیتوں کو اُن کے سامنے سنا کے انہیں ضلالت اور گمراہی سے نجات دلا کر ہدایت کے راستے پر گامزن کرنے کی فکر اور تگ و دو میں لگے رہتے تھے۔

معاشرے میں رائج غلط بدعتوں کے خاتمے اور اللہ کے احکام کو روشن کرنے کے حوالے سے آپ ﷺ کے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں:

أَرْسَلَهُ بِحُجَّةٍ كَافِيَةٍ وَ مَوْعِظَةٍ شَافِيَةٍ وَ دَعْوَةٍ مُتَلَافِيَةٍ أَظْهَرَ بِهِ الشَّرَائِعَ الْمَجْهُولَةَ وَ قَمَعَ بِهِ الْبِدَعَ الْمَدْخُولَةَ وَ بَيَّنَ بِهِ الْأَحْكَامَ الْمَفْصُولَةَ؛ (33)

یعنی: اللہ نے آپ ﷺ کو مکمل دلیل، شفا بخش نصیحت اور (پہلی جہالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دے کر بھیجا اور ان کے ذریعے سے (شریعت کی) نامعلوم راہیں آشکار کیں اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا اور (قرآن و سنت میں) بیان کئے ہوئے احکام واضح کئے۔

امام علیؑ ایک اور مقام پر حضور اکرم ﷺ کو حق اور ہدایت کو روشن کرکے ایمان کی روشنی عطا کرنے والی ذات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَرْسَلَهُ بِوُجُوبِ الْحُجَجِ وَ ظُهُورِ الْفَلَجِ وَ إِيضَاحِ الْمَنْهَجِ فَبَلَّغَ الرِّسَالَةَ صَادِعاً بِهَا وَ حَمَلَ عَلَى الْمَحَجَّةِ دَالًّا عَلَيْهَا وَ أَقَامَ أَعْلَامَ الِاهْتِدَاءِ وَ مَنَارَ الضِّيَاءِ وَ جَعَلَ أَمْرَاسَ الْإِسْلَامِ مَتِينَةً وَ عُرَى الْإِيمَانِ وَثِيقَةً؛ (34) یعنی: اللہ نے انہیں ناقابل انکار دلیلوں، واضح کامرانیوں اور راہ (شریعت) کی رہنمائیوں کے ساتھ بھیجا۔ چنانچہ آپ نے (حق کو باطل سے) چھانٹ کر اس کا پیغام پہنچایا، راہ حق دکھا کر اس پر لوگوں کو لگایا۔ ہدایت کے نشان اور روشنی کے مینار قائم کئے۔ اسلام کی رسیوں اور ایمان کے بندھنوں کو مستحکم کیا۔

دوسرے مقام پر ہدایت کے بالکل مٹ جانے کے بعد حق اور ہدایت آشکار کرکے لوگوں کو راہِ اعتدال پر چلانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ وَ أَعْلَامُ الْهُدَى دَارِسَةٌ وَ مَنَاهِجُ الدِّينِ طَامِسَةٌ فَصَدَعَ بِالْحَقِّ وَ نَصَحَ لِلْخَلْقِ وَ هَدَى إِلَى الرُّشْدِ وَ أَمَرَ بِالْقَصْدِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ؛ (35)

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ جنہیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا کہ جب ہدایت کے نشان مٹ چکے تھے اور دین کی راہیں اجڑ چکی تھیں۔ آپ نے حق کو آشکار کیا۔ خلق خدا کی نصیحت کی، ہدایت کی جانب رہنمائی فرمائی اور افراط و تفریط کی سمتوں سے بچ کر درمیانی راہ پر چلنے کا حکم دیا۔

امام علیؑ کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے جب بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کے عرب کے حالات کاآپس میں مقایسہ کرتے ہیں تو حیرت کی انتہا نہیں رہ جاتی کہ جو عرب چند سال پہلے جہالت اور گمراہی کی اتھاہ دلدل میں گرفتار تھے وہ حضور اکرم ﷺ کی کوششوں سے انتہائی مختصر عرصے میں اُس سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ مکہ جو کہ شرک اور بت پرستی کا مرکز تھا اب توحید اور خداپرستی کا مرکز بن جاتا ہے۔ جو لوگ تہذیب و ثقافت سے عاری تھے وہ اب دوسری اقوام کے لئے نمونہ عمل بن جاتے ہیں۔ دنیا میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی اتنے بڑے انقلاب کی مثال نہیں ملتی، تو یہ سب یقیناً سرورِ کائنات ﷺ کی محنتوں اور زحمتوں کا نتیجہ تھا۔

تبلیغ رسالت میں پیش آنے والی مشکلات کے مقابلے میں صبر واستقامت

تبلیغ دین ایک ایسا اہم اور مشکل کام ہے کہ جس کی راہ میں ہزاروں مشکلات پیش آتی ہیں، لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، انسان جس قدر زیادہ تبلیغ دین میں مصروف ہو جائے اسی قدر زیادہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں صرف ہدف اور مقصد پر یقین رکھنے والے لوگ ہی اس راہ کی مشکلات کو برداشت کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ اسی لیے جب

تاریخ انسانی پر نظر دوڑاتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ تبلیغ دین کی راہ میں سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا انبیاء کرامؑ کو کرنا پڑتا تھا لیکن وہ اپنے الٰہی اہداف کے حصول اور انسانیت کو راہ حق پر لانے کے لیے ان تمام تکلیفوں اور مشکلات کے مقابلے میں بڑی کشادہ دلی سے صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انبیاء میں سے بھی سب سے زیادہ مشکلات اور دشمنوں کی مخالفت کا سامنا خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کو کرنا پڑا تھا۔

جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ما أوذی نبی مثل ما أوذیت۔ (36) (تبلیغ اسلام کی راہ میں) جتنی تکلیفیں مجھے پہنچائی گئی ہیں کسی اور نبی کو نہیں پہنچائی گئیں۔ کیونکہ آپ جس معاشرے میں رہتے تھے اُس معاشرے کے سب لوگ اعلان رسالت سے پہلے آپؐ کا احترام کرتے تھے لیکن اعلان رسالت کے فوراً بعد وہ سب آپ کے جانی دشمن بن گئے حتی کہ آپ کے اپنے قوم و قبیلہ اور خاندان کے بھی بہت سارے افراد آپ کے مخالف بن گئے جن میں سر فہرست آپؐ کے اپنے چچا ابولہب تھے۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے اللہ کی راہ میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے تبلیغ اسلام کے فریضے کو انجام دیا اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر مشکل کے مقابلے میں بڑے حوصلے سے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا، اور یوں کوئی بڑی سی بڑی مشکل بھی آپؐ کی راہ کی رکاوٹ نہ بن سکی۔ چونکہ اللہ رب العزت کا آپ کو حکم تھا کہ: فَاسْتَقِمْ كَما أُمِرْتَ وَ مَنْ تابَ مَعَكَ وَ لا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِما تَعْمَلُونَ بَصِير(37) جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپؐ اور وہ لوگ بھی جو آپؐ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ثابت قدم رہیں اور حد سے تجاوز بھی نہ کریں، اللہ تمہارے اعمال کو یقیناً خوب دیکھنے والا ہے۔

حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں کئی مقامات پر مشکلات کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کے صبر واستقامت کو کھلے لفظوں میں بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ یہ دین اتنی آسانی کے ساتھ لوگوں تک نہیں پہنچا بلکہ اس کو پہنچانے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے کتنی زحمتیں برداشت فرمائی ہیں۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

وَ نَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ خَاضَ إِلَى رِضْوَانِ اللهِ كُلَّ غَمْرَةٍ وَ تَجَرَّعَ فِيهِ كُلَّ غُصَّةٍ وَ قَدْ تَلَوَّنَ لَهُ الْأَدْنَوْنَ وَ تَأَلَّبَ عَلَيْهِ الْأَقْصَوْنَ وَ خَلَعَتْ إِلَيْهِ الْعَرَبُ أَعِنَّتَهَا وَ ضَرَبَتْ إِلَى مُحَارَبَتِهِ بُطُونَ رَوَاحِلِهَا حَتَّى أَنْزَلَتْ بِسَاحَتِهِ عَدَاوَتَهَا مِنْ أَبْعَدِ الدَّارِ وَ أَسْحَقِ الْمَزَارِ؛ (38)

یعنی: ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ﷺ ہیں، جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہر سختی میں پھاند پڑے اور جنہوں نے اس کے لیے غم و غصہ کے گھونٹ پیے۔ جن کے قریبوں نے بھی مختلف رنگ بدلے اور دور والوں نے بھی ان کی

دشمنی پر ایکا کر لیا۔ اور عرب والے بھی ان کے خلاف بگٹٹ چڑھ دوڑے اور دور دراز جگہوں اور دور افتادہ سرحدوں سے سواریوں کے پیٹ پر ایڑ لگاتے ہوئے آپ سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے اور عداوتوں کے (پشتارے) آپ کے صحن میں لا اتارے۔
ابن ابی الحدید معتزلی اس فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے نہج البلاغہ کی اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

و من قرأ كتب السيرة علم ما لاقى رسول الله ص في ذات الله سبحانه من المشقة و استهزاء قريش به في أول الدعوة و رميهم إياه بالحجارة حتى أدموا عقبيه و صياح الصبيان به و فرث الكرش على رأسه و فتل الثوب في عنقه و حصره و حصر أهله في شعب بني هاشم سنين عدة محرمة معاملتهم و مبايعتهم و مناكحتهم و كلامهم حتى كادوا يموتون جوعا؛ (39)

یعنی: جس نے سیرت کی کوئی کتاب پڑھی ہو تو اسے معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالی کی راہ میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بعثت کے آغاز میں کفار قریش آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپؐ پر پتھر پھینکتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں مبارک خون سے تر ہو گئے۔ وہ اپنے بچوں کو آپؐ کا مذاق اڑانے کے لیے آپؐ کے پیچھے لگا دیتے تھے۔ آپؐ کے سر مبارک پر اونٹ کی غلاظت ڈال دیتے تھے ۔آپؐ کی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچتے تھے،انہوں نے آپؐ کو بمعہ اہل و عیال شعب ابوطالبؑ میں کئی سالوں تک محصور رکھا۔ اس دوران انہوں نے آپؐ کے ساتھ تمام معاملات، خرید و فروش اور ہر قسم کے تعلقات کا مکمل بائیکاٹ کیے رکھا تاکہ آپؐ بھوک سے اپنی جان کھو بیٹھیں۔

ایک اور موقع پر حضرت علیؑ تبلیغ اسلام کی راہ میں آنحضرت ﷺ کی ثابت قدمی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ دَعَا إِلَى طَاعَتِهِ وَ قَاهَرَ أَعْدَاءَهُ جِهَاداً عَنْ دِينِهِ لَا يَثْنِيهِ عَنْ ذَلِكَ اجْتِمَاعٌ عَلَى تَكْذِيبِهِ وَ الْتِمَاسٌ لِإِطْفَاءِ نُورِهِ ؛ (40)

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں، جنہوں نے اس کی اطاعت کی طرف لوگوں کو بلایا اور دین کی راہ میں جہاد کرکے اس کے دشمنوں پر غلبہ پایا۔ ان کے جھٹلانے پر لوگوں کا ایکا کر لینا اور ان کے نور کو بجھانے کے لیے کوشش و تلاش میں لگے رہنا ان کو اس (تبلیغ و جہاد کی) راہ سے نہ ہٹا سکا۔

ایک اور مقام پر لوگوں کو پیغمبرؐ پر درود بھیجنے کا طریقہ بیان فرماتے ہوئے تبلیغ رسالت کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کی ثابت قدمی اور مضبوط ارادے کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ قَائِماً بِأَمْرِكَ مُسْتَوْفِزاً فِي مَرْضَاتِكَ غَيْرَ نَاكِلٍ عَنْ قُدُمٍ وَ لَا وَاهٍ فِي عَزْمٍ؛ (41)

یعنی: "جیسا ان پر ذمہ داری کا بوجھ عائد کیا گیا تھا، اس کو انہوں نے اٹھایا اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لئے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہو گئے۔ نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا، نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔"

ایک اور جگہ راہِ الٰہی میں حضور اکرم ﷺ کے صبر و استقامت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَرْسَلَهُ دَاعِياً إِلَى الْحَقِّ وَ شَاهِداً عَلَى الْخَلْقِ فَبَلَّغَ رِسَالَاتِ رَبِّهِ غَيْرَ وَانٍ وَ لَا مُقَصِّرٍ وَ جَاهَدَ فِي اللهِ أَعْدَاءَهُ غَيْرَ وَاهِنٍ وَ لَا مُعَذِّرٍ إِمَامُ مَنِ اتَّقَى وَ بَصَرُ مَنِ اهْتَدَى؛ (42)

یعنی: اللہ نے آپؐ کو حق کی طرف بلانے والا اور مخلوق کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کو پہنچایا۔ نہ اس میں کچھ سستی کی نہ کوتاہی اور اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے جہاد کیا جس میں نہ کمزوری دکھائی، نہ حیلے بہانے کئے۔ وہ پرہیزگاروں کے امام اور ہدایت پانے والوں (کی آنکھوں) کے لئے بصارت ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تبلیغ دین کی راہ میں بہت ساری مشکلات برداشت فرمائی ہیں، مکّی زندگی میں کفار قریش نہ صرف آپؐ کے جانی دشمن بن گئے بلکہ وہ ہر اُس شخص کے بھی جانی دشمن بن جاتے تھے جو آپؐ پر ایمان لاتے تھے۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح آپؐ کو تبلیغ اسلام سے روکا جائے، اس کے لئے انہوں نے ہر طرح کے ذریعے اور ہتھکنڈے اپنائے، کبھی ڈرا دھمکا کر آپؐ کو تبلیغ اسلام سے روکنا چاہا، کبھی لالچ کے ذریعے آپ کو روکنا چاہا تو کبھی آپؐ پر الزامات اور تہمتوں کی بارش کی گئی تاکہ لوگ آپؐ سے دور رہیں، جب اس پر بھی اُن کا بس نہ چلا تو آپ کو راتوں رات قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے آپ نے مکہ ہی چھوڑ دیا اور مدینہ ہجرت فرما گئے، لیکن دشمنوں نے آپؐ کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا بلکہ ہر سال کوئی نہ کوئی جنگ زبردستی آپؐ پر مسلط کرتے رہے تاکہ آپ تبلیغ دین کے فریضے کو نہ نبھا سکیں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ چونکہ اللہ کے سچے نبی تھے لہٰذا دشمنوں کی ان تمام تر مخالفتوں اور سازشوں کے باوجود آپؐ مسلسل پیغامِ الٰہی کو امت تک پہنچانے میں مصروف رہے اور کسی موڑ پر نہ سستی دکھائی اور نہ ارادے میں کمزوری دکھائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کامیابی دلادی اور یوں آپؐ نے ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں پورے جزیرۃالعرب میں اسلام کا پیغام عام فرمایا۔

حضرت علیؑ کے مذکورہ بالا اقوال میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آپؐ نے تبلیغ رسالت کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات کے مقابلے میں بہترین صبر و تحمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

ہدف کی خاطر ایثار اور فداکاری

ایثار ایک ایسی خوبی ہے جو نیک دل لوگوں کا طرہ امتیاز ہے۔ دنیا میں کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس تحریک کے بلند اہداف کے حصول کی خاطر سب سے زیادہ فداکاری اور ایثار کا مظاہرہ خود اس تحریک کے بانی اور سربراہ کریں، اور دوسروں کو اہداف کی راہ میں قربانی دینے کی ترغیب دلانے سے پہلے وہ خود ایثار اور جاں نثاری کا مظاہرہ کرے تاکہ دوسرے اس کے نقش قدم پر چل کر ایثار کا مظاہرہ کریں۔ خطرات کے موقع پر ایثار اور فداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے عزیز واقارب کو دوسروں سے پہلے خطرات کے سمندر میں صرف وہی لوگ بھیج سکتے ہیں کہ جن کو اپنے ہدف اور اپنی حقانیت پر مکمل یقین اور اعتقاد ہو۔ ورنہ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر لوگ اپنے عزیزوں کو بچا کر دوسروں کو آگے بھیجتے ہیں تاکہ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو دوسرے قربان ہوں لیکن وہ خود اور اس کے عزیز واقارب محفوظ رہیں۔

حضور اکرم ﷺ بھی اپنے الٰہی اہداف کے حصول کے لئے مختلف مواقع پر ایثار اور فداکاری سے کام لیتے تھے۔ مختلف جنگوں میں حضور اکرم ﷺ کے ایثار کا تذکرہ کرتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں:

وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ص إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ وَ أَحْجَمَ النَّاسُ قَدَّمَ أَهْلَ بَيْتِهِ فَوَقَى بِهِمْ أَصْحَابَهُ حَرَّ السُّيُوفِ وَ الْأَسِنَّةِ فَقُتِلَ عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ يَوْمَ بَدْرٍ وَ قُتِلَ حَمْزَةُ يَوْمَ أُحُدٍ وَ قُتِلَ جَعْفَرٌ يَوْمَ مُؤْتَةَ؛ (43)

یعنی: رسالتمآب ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے اور لوگوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگتے تھے تو پیغمبر ﷺ اپنے اہلبیتؑ کو آگے بڑھا دیتے تھے اور یوں انہیں سینہ سپر بنا کر اصحاب کو نیزہ و شمشیر کی مار سے بچا لیتے تھے۔ چنانچہ عبیدہؓ ابن حارث بدر میں، حمزہؓ اُحد میں اور جعفرؓ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ کی شجاعت اور بہادری

رسول اکرم ﷺ کی شجاعت اور بہادری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑی جانے والی ۲۸ جنگوں میں بذات خود شرکت فرماتے ہوئے میدان جنگ میں اسلامی فوج کی قیادت فرمائی۔ اور جنگ کے موقع پر جہاں جہاں میدان کارزار شدت اختیار کرتا تھا وہاں خود آنحضرتؐ سب سے آگے آگے ہوتے اور دشمنان اسلام کا مقابلہ فرماتے تھے۔

حضرت علیؑ شیر خدا جیسے شجاع اور بہادر انسان کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (سوائے جنگ تبوک کے) تقریباً تمام اسلامی جنگوں میں شرکت فرمائی اور ہر موقع پر لشکرِ اسلام کی فتح و کامرانی میں کلیدی کردار ادا فرمایا، آنحضرت ﷺ کی شجاعت و بہادری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كُنَّا إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُولِ اللهِ ص فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنَّا أَقْرَبَ إِلَى الْعَدُوِّ مِنْهُ؛ (44)

یعنی: جب جنگ اپنے عروج کو پہنچتی تھی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ حاصل کر لیتے تھے، اور اُس وقت ہم میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ دشمن سے قریب تر نہ ہوتا تھا۔

امیر المؤمنینؑ کے اس جملے کی وضاحت کرتے ہوئے سید رضی نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

و معنى ذلك أنه إذا عظم الخوف من العدو و اشتد عضاض الحرب فزع المسلمون إلى قتال رسول الله ص بنفسه فينزل الله عليهم النصر به و يأمنون مما كانوا يخافونه بمكانه؛ (45)

یعنی: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دشمن کا خطرہ بڑھ جاتا تھا اور جنگ سختی سے کاٹنے لگتی تھی تو مسلمان یہ سہارا ڈھونڈنے لگتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس جنگ کریں تو اللہ آنحضرت ﷺ کی وجہ سے ان کی نصرت فرمائے اور آپؐ کی موجودگی کے باعث خوف وخطر کے موقع سے محفوظ رہیں۔

رسول اکرم ﷺ، رحمت کے پیکر

حضور اکرم ﷺ جہاں شجاعت و بہادری پیکر تھے وہاں رحمت الٰہی کے مظہر بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو پورے عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَ ما أَرْسَلْناكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِلْعالَمِينَ۔ (46) اور (اے رسول) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ علامہ طباطبائی حضور اکرم ﷺ کا عالمین کے لئے رحمت ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے المیزان میں لکھتے ہیں: کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ ایک ایسا دین لوگوں کے لئے لے کر آئے ہیں کہ جس پر عمل کرنے سے لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی مل سکتی ہے، اس لئے آپؐ کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ (47)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کی نرم مزاجی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَبِما رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ (48)

(اے رسول) یہ مہر الٰہی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس ان سے در گزر کریں اور ان کے لئے مغفرت طلب کریں۔

سورہ توبہ میں رسول اکرم ﷺ کی رحمت اور شفقت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ ما عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ۔ (49)

بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے، تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لئے نہایت شفیق، مہربان ہے۔

حضرت امام علیؑ بھی مختلف مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت کا بار بار تذکرہ فرماتے ہیں۔ ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں: وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً نَجِيبُ اللهِ وَ سَفِيرُ وَحْيِهِ وَ رَسُولُ رَحْمَتِهِ؛ (50) یعنی : میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ، اس کی وحی کے ترجمان اور رحمت کے پیغمبر ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: أَمِينُ وَحْيِهِ وَ خَاتَمُ رُسُلِهِ وَ بَشِيرُ رَحْمَتِهِ وَ نَذِيرُ نِقْمَتِهِ؛ وہ اللہ کی وحی کے امانت دار، اُس کے رسولوں کے آخری فرد، اُس کی رحمت کا مژدہ سنانے والے اور اُس کے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔

ایک اور خطبے میں امام علیؑ آنحضرت ﷺ کو دنیا کے لئے رحمت اور نعمت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: حَتَّى أَوْرَى قَبَساً لِقَابِسٍ وَ أَنَارَ عَلَماً لِحَابِسٍ فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَ شَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ وَ بَعِيثُكَ نِعْمَةً وَ رَسُولُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً؛ (51)

یعنی: یہاں تک کہ آپؐ نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکائے اور (راستہ کھو کر) سواری کے روکنے والے کے لئے نشانات روشن کئے۔ (اے اللہ!) وہ تیرے بھروسے کا امین اور قیامت کے دن تیرا (ٹھہرایا ہوا) گواہ ہے۔ وہ تیرا نبی مرسل اور رسول برحق ہے، جو (دنیا کے لئے) نعمت و رحمت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جو آپؐ کی اسی صفت کی عکاسی کرتے ہیں، آپؐ نے اپنی زندگی میں نہ فقط کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ ہمیشہ لوگوں کی مدد فرماتے رہے اور ان کے حق میں دعا فرماتے رہے۔ حضور ﷺ کی رحمت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ان لوگوں کے حق میں بھی دعا فرماتے تھے جو آپ کو ستاتے تھے اور آپ کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے، آپؐ ایک جگہ اُن کے حق میں یوں دعا فرماتے ہیں: اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون۔ (52) اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ لوگ مجھے نہیں پہچانتے۔ تو یہ حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت اور اپنی امت سے محبت کا نتیجہ تھا کہ آپؐ اپنے دشمنوں کے حق میں بھی بددعا فرمانے کی بجائے اُن کے حق میں ہدایت کی دعا فرماتے ہیں۔ ورنہ سابقہ انبیاء کرام ﷺ میں سے بہت سے ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے اپنی قوم کی ہٹ دھرمی اور اُن کی اذیتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ کر اُن کے حق میں عذاب الٰہی کی دعائیں مانگیں تو اللہ نے اُن پر عذاب نازل فرمایا اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ لیکن یہاں تو حضور اکرم ﷺ کو جتنی بھی تکلیفیں پہنچائی گئیں پھر بھی آپ اُن کے حق میں مسلسل دعا ہی فرماتے رہے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے آپ کو بھی مشورہ دیا کہ آپ بھی سابقہ انبیاء کرامؑ کی طرح اپنے دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ نے اُن کے مشورے کے جواب میں فرمایا کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں زحمت بنا کر نہیں۔

قيل لرسول الله ادع الله على المشركين فقال إنما بعثت رحمة و لم أبعث عذابا؛ (53) رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ان مشرکین کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا: میں رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں عذاب بنا کر نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا زہد اور دنیا سے بے رغبتی

اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتقاد رکھنے والے نیک بندے ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ یہ ایک عارضی جگہ ہے جہاں سے اس نے ہمیشہ رہنے والی منزل آخرت کی طرف سفر کرنا ہے لہٰذا وہ اس دنیا سے اسی قدر ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جس سے اس کی زندگی کی ضروریات پوری ہوسکے لہٰذا زیادہ تر وہ اپنی اخروی زندگی سنوارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں فرمایا ہے: يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (54) اے میری قوم! یاد رکھو یہ دنیوی زندگی تو بس تھوڑی دیر کی لذت ہے، اور ہمیشہ رہنے کا گھر صرف آخرت کا گھر ہے۔

تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جیسی شخصیت جو تمام انبیاء اور اولیاء کے سید و سردار ہیں، وہ اس بے ثبات دنیا کے ساتھ اُنسیت پیدا کرے اور آخرت کی فکر میں نہ رہے۔ لہٰذا سید الانبیاء ﷺ کا زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کا جو عالم تھا وہ ایسا تھا کہ جس کی مثال نہ آپ سے پہلے مل سکتی ہے اور نہ آپ کے بعد؛ بلکہ آپ کا یہ زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی دنیا کے تمام اولیاء اور نیک لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

خود آنحضرت ﷺ دنیا سے اپنی بے رغبتی کے بارے میں فرماتے ہیں: عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ ع قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ص مَا لِي وَ لِلدُّنْيَا إِنَّمَا مَثَلِي وَ مَثَلُهَا كَمَثَلِ الرَّاكِبِ رُفِعَتْ لَهُ شَجَرَةٌ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ فَقَالَ تَحْتَهَا ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَكَهَا۔ (55) یعنی: مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ دنیا کے ساتھ میری مثال اس سوار کی ہے جو گرم موسم میں کسی درخت کی چھاؤں میں ستانے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتا ہے، پھر درخت کو چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو جاتا ہے۔

امام علیؑ بھی حضور اکرم ﷺ کے زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں لوگوں کو آگاہ فرماتے رہتے تھے اور اُن کو آپ کی اس سیرت کی پیروی کرنے کی نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ ایک جگہ آنحضرت ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں فرماتے ہیں:

قَدْ حَقَّرَ الدُّنْيَا وَ صَغَّرَهَا وَ أَهْوَنَ بِهَا وَ هَوَّنَهَا وَ عَلِمَ أَنَّ اللهَ زَوَاهَا عَنْهُ اخْتِيَاراً وَ بَسَطَهَا لِغَيْرِهِ احْتِقَاراً فَأَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهِ وَ أَمَاتَ ذِكْرَهَا عَنْ نَفْسِهِ وَ أَحَبَّ أَنْ تَغِيبَ زِينَتُهَا عَنْ عَيْنِهِ لِكَيْلَا يَتَّخِذَ مِنْهَا رِيَاشاً أَوْ يَرْجُوَ فِيهَا مَقَاماً؛ (56)

یعنی: نبی اکرم ﷺ نے اس دنیا کو ذلیل و خوار سمجھا اور پست و حقیر جانا اور جانتے تھے کہ اللہ نے ان کی شان کو بالاتر سمجھتے ہوئے دنیا کا رخ ان سے موڑا ہے، اور گھٹیا سمجھتے ہوئے دوسروں کے لئے اس کا دامن پھیلا دیا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے دنیا سے دل ہٹا لیا اور اس کی یاد اپنے نفس سے مٹا ڈالی اور یہ چاہتے رہے کہ اس کی سج دھج ان کی نظروں سے اوجھل رہے کہ نہ اس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں، اور نہ اس میں قیام کی آس لگائیں۔

حضرت علیؑ ایک اور مقام پر آنحضرت ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی اور آپ کی اس روش کو دوسروں کے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کی پیروی کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ ص كَافٍ لَكَ فِي الْأُسْوَةِ وَ دَلِيلٌ لَكَ عَلَى ذَمِّ الدُّنْيَا وَ عَيْبِهَا . . . . . وَ كَذَلِكَ مَنْ أَبْغَضَ شَيْئاً أَبْغَضَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ وَ أَنْ يُذْكَرَ عِنْدَهُ وَ لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ ص مَا يَدُلُّكَ عَلَى مَسَاوِئِ الدُّنْيَا وَ عُيُوبِهَا إِذْ جَاعَ فِيهَا مَعَ خَاصَّتِهِ وَ زُوِيَتْ عَنْهُ زَخَارِفُهَا مَعَ عَظِيمِ زُلْفَتِهِ؛ (57)

یعنی: تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل پیروی کے لئے کافی ہے، اور اُن کی ذات دنیا کے عیب و نقص اور اُس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کے لئے رہنما ہے۔ اس لئے کہ اس دنیا کے دامنوں کو اس سے سمیٹ لیا گیا اور دوسروں کے لئے اُس کی وسعتیں مہیا کر دی گئیں اور اس (زال دنیا کی چھاتیوں سے) آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔۔۔ تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لئے نمونہ اور صبر کرنے والے کے لئے ڈھارس ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے جنہوں نے دنیا کو (صرف ضرورت بھر) چکھا اور اُسے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ شکم تہی میں بسر کرنے والے اور خالی پیٹ رہنے والے تھے ان کے سامنے دنیا کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور (جب) جان لیا کہ اللہ نے ایک چیز کو برا جانا اور اللہ نے ایک چیز کو حقیر سمجھا ہے تو آپ ﷺ نے بھی اُسے پست ہی قرار دیا۔۔۔ رسول ﷺ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے، اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے اور بے پالان کے گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اپنے پیچھے کسی کو بٹھا بھی لیتے

تھے۔۔۔آپ ﷺ نے دنیا سے دل ہٹالیا تھااور اس کی یاد تک اپنے نفس سے مٹاڈالی تھی اور یہ چاہتے تھے کہ اس کی سج دھج نگاہوں سے پوشیدہ رہے تاکہ نہ اُس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں اور نہ اسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں۔ انہوں نے اس کا خیال نفس سے نکال دیا اور دل سے اسے ہٹا دیا تھا اور نگاہوں سے اسے او جھل رکھا تھا۔ یونہی جو شخص کسی شے کو بُرا سمجھتا ہے تو نہ اُسے دیکھنا چاہتا ہے اور نہ اس کا ذکر سننا گوارا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ (کے عادات وخصائل) میں ایسی چیزیں ہیں کہ جو تمہیں دنیا کے عیوب و قبائح کا پتہ دیں گی جبکہ آپ ﷺ اس دنیا میں اپنے خاص افراد سمیت بھوکے رہا کرتے تھے اور باوجود انتہائی قربِ منزلت کے اس کی آرائشیں ان سے دور رکھی گئیں۔

حضور اکرم ﷺ کا اس طرح زہد و تقوی اور مالِ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے میں یقیناً معاشرے کے ہر طبقے کے لئے نمونہ عمل ہے خصوصاً وہ لوگ کہ جو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور ملک کی باگ ڈور ہاتھوں میں لے ہوتے ہیں ، لیکن آخرت کو بھول کر اسی دنیا کی رنگینیوں میں اپنے آپ کو کھو دیتے ہیں، ان سب کے لئے آپ کا یہ طرزِ حیات قابلِ تقلید ہے کہ آپ ﷺ اسلامی اسٹیٹ کے سربراہ اور تمام امور مملکت اور بیت المال کے مختارِ کُل ہونے کے باوجود زہد و تقوی اکی اعلیٰ ترین منزل پر فائز تھے اور دنیا سے بے رغبتی کا شیوہ اپناتے تھے۔

حضرت علیؑ مذکورہ بالا خطبے میں حضور اکرم ﷺ جیسے اُسوہ حسنہ کو اللہ رب العزت کی جانب سے انسانیت پر عظیم احسان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَمَا أَعْظَمَ مِنَّةَ اللهِ عِنْدَنَا حِينَ أَنْعَمَ عَلَيْنَا بِهِ سَلَفاً نَتَّبِعُهُ وَ قَائِداً نَطَأُ عَقِبَه؛(58) یعنی: یہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں ایک پیشرو و پیشوا جیسی نعمت بخشی کہ جن کی ہم پیروی کرتے ہیں اور قدم بقدم چلتے ہیں۔ تو یقیناً انسان کو ہر ہر لمحہ اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس نے انسانوں کے لئے اتنا عظیم اسوہ حسنہ عطافرما کر انسانیت پر عظیم احسان فرمایا۔ تو پس جو کوئی حقیقی زہد و تقوی اور دنیا سے بے رغبتی کا شیوہ اپنانا چاہتا ہے اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بہترین عملی نمونہ موجود ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سنت اور آپ کا اخلاق واسوہ حسنہ

سنت اصل میں تو ہر طریقے اور روش کو کہا جاتا ہے لیکن اسلامی اصطلاح میں اب یہ لفظ حضور اکرم ﷺ کی سنت اور اور آپ کے طور طریقے کے ساتھ خاص ہو گیا ہے۔ جیسے کہ ماہر لغت ابن اثیر سنت کی لغوی اور شرعی اصطلاحوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الاصل فیھا: الطریقةُ و السیرةُ، و اذا أُطلقت فی الشرع فانّھا یُراد بھا ما امربه النبی ﷺ، و نھی عنه، و ندب الیه قولاً و فعلاً ممّا لم ینطق به الکتاب العزیزُ، و لھذا یقال فی ادلّة الشرع: الکتابُ و السنة، أی القرآنُ و الحدیثُ۔(59)

یعنی: سنت کا معنی طریقہ اور سیرت ہے۔ اور شرعی اعتبار سے ہر اس چیز کو سنت کہا جاتا ہے کہ جس کا حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا ہو یا روکا ہو، اور زبانی یا عملی طور پر جس کی ترغیب دلائی ہو، کہ جس کے بارے میں قرآن میں بھی کوئی حکم موجود نہ ہو۔ اسی وجہ سے کتاب و سنت یعنی قرآن و حدیث کو ادلہ شرعی کہا جاتا ہے۔

پس رسول اللہ ﷺ کا ہر قول اور عمل سنت ہے یعنی آپ نے اپنی زندگی میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہو یا جو کام انجام دیا ہو یا آپ کے سامنے جو کام انجام پایا ہو اور جس پر آپ نے سکوت اختیار فرمایا ہو وہ سب سنت کے دائرے میں آجاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی سنت اور سیرت کے بارے میں امام علیؑ کے اقوال ذکر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کے بارے میں قرآن کریم کا نظریہ معلوم کیا جائے کیونکہ اصل میں امام علیؑ کے اقوال کا مرجع یہی آیات کریمہ ہیں۔ تو قرآن نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تمام انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً (60)

بتحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

قرآن نے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کو بھی بہترین اخلاق قرار دیا ہے۔وَ إِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ (61) اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

قرآن کریم کی بعض آیتیں ایسی ہیں جو حضور اکرم کی پیروی کو تمام اہل ایمان کے لئے واجب قرار دیتی ہیں، لہٰذا آنحضرت کی سنت کی پیروی نص قرآن کی روشنی میں واجب ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَ ما آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ ما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَ اتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقاب (62)

رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رُک جاؤ اور اللہ کا خوف کرو، اللہ یقیناً شدید عذاب دینے والا ہے۔

سورہ نساء میں ارشاد ہے: يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا أَطيعُوا اللهَ وَ أَطيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنازَعْتُمْ في شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْويلا۔ (63)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس سلسلے میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بھلائی ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہو گا۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعوی کی سچائی کو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اور پیروی سے مشروط قرار دیا گیا ہے: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُوني يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ اللهُ غَفُورٌ رَحيمٌ۔ (64)

کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تو ان آیات کریمہ کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ کی سنت اور سیرت اور آپ کے اخلاق حسنہ کی پیروی تمام اہل ایمان پر واجب ہے۔ کیونکہ آپؐ کی سنت اور سیرت سب سے اچھی تھی جو اپنی پیروی کرنے والے کو جنت تک لے جاتی ہے اور اُسے جہنم کے عذاب سے نجات دلاتی ہے۔

خود حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنی سنت اور سیرت کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔آپؐ فرماتے ہیں: إِنَّ أَفْضَلَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ص وَ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ الله۔ (65) یعنی: بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے، اور بہترین کلام اللہ کا کلام یعنی قرآن مجید ہے۔

جب حضور اکرم ﷺ کی سنت اور سیرت کے بارے میں امیر المؤمنین کے ارشادات کا جائزہ لیتے ہیں تو آپؑ بھی قرآن کے اسی اصول کے مطابق اسے بہترین قرار دیتے ہیں اور اُس کی پیروی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امام علیؑ نے مختلف مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی سیرت کو بہترین سیرت قرار دیتے ہوئے لوگوں کو اُس کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ جیسے ایک مقام پر فرماتے ہیں: وَ اقْتَدُوا بِهَدْيِ نَبِيِّكُمْ فَإِنَّهُ أَفْضَلُ الْهَدْيِ وَ اسْتَنُّوا بِسُنَّتِهِ فَإِنَّهَا أَهْدَى السُّنَنِ؛ (66) نبی ﷺ کی سیرت کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے۔ اور ان کی سنت پر چلو، کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔

امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو تمام لوگوں کے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وَ لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ ص كَافٍ لَكَ فِي الْأُسْوَةِ وَ دَلِيلٌ لَكَ عَلَى ذَمِّ الدُّنْيَا وَ عَيْبِهَا وَ كَثْرَةِ مَخَازِيهَا؛ (67) تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل پیروی کے لئے کافی ہے اور

ان کی ذات دنیا کے عیب و نقص اور اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کے لئے رہنما ہے۔ اسی خطبے میں ذرا آگے مزید فرماتے ہیں: فَتَأَسَّ بِنَبِيِّكَ الْأَطْيَبِ الْأَطْهَرِ ص فَإِنَّ فِيهِ أُسْوَةً لِمَنْ تَأَسَّى وَ عَزَاءً لِمَنْ تَعَزَّى وَ أَحَبُّ الْعِبَادِ إِلَى اللهِ الْمُتَأَسِّي بِنَبِيِّهِ وَ الْمُقْتَصُّ لِأَثَرِهِ؛(68) تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لئے نمونہ اور صبر کرنے والے کے لئے ڈھارس ہے۔ ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس خطبے میں امام علیؑ نے بالکل قرآنی اصول کو اپنے لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی سنت تمام لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخص وہی ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہو۔

مالک اشتر کے نام لکھے گئے تاریخی خط میں فرماتے ہیں: وَ ارْدُدْ إِلَى اللهِ وَ رَسُولِهِ مَا يُضْلِعُكَ مِنَ الْخُطُوبِ وَ يَشْتَبِهُ عَلَيْكَ مِنَ الْأُمُورِ فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى لِقَوْمٍ أَحَبَّ إِرْشَادَهُمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَ الرَّسُولِ فَالرَّدُّ إِلَى اللهِ الْأَخْذُ بِمُحْكَمِ كِتَابِهِ وَ الرَّدُّ إِلَى الرَّسُولِ الْأَخْذُ بِسُنَّتِهِ الْجَامِعَةِ غَيْرِ الْمُفَرِّقَةِ؛(69)

یعنی: جب (فہم احکام کے سلسلے میں) ایسی مشکلیں تمہیں پیش آئیں کہ جن کا حل نہ ہو سکے اور ایسے معاملات کہ جو مشتبہ ہو جائیں تو ان میں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو، کیونکہ خدا نے جن لوگوں کو ہدایت کرنا چاہی ہے ان کے لئے فرمایا ہے۔ "اے ایمان دارو! اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہوں اور اگر تم میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔" تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کے محکمات پر عمل کیا جائے، اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اس متفق علیہ سنت پر عمل کیا جائے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس فرمان میں بھی امام علیؑ نے بالکل قرآن کے ارشاد کے مطابق مشکلات اور آپس کے اختلافات کے موقع پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، اور پھر رسول اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے اس سے مراد سنت رسول کی طرف رجوع قرار دیا ہے۔

ایک اور مقام پر سنت رسول ﷺ کی پاسداری کی وصیت کرتے ہوئے امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: أَمَّا وَصِيَّتِي فَاللهَ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَ مُحَمَّداً ص فَلَا تُضَيِّعُوا سُنَّتَهُ أَقِيمُوا هَذَيْنِ الْعَمُودَيْنِ وَ أَوْقِدُوا هَذَيْنِ الْمِصْبَاحَيْنِ؛(70)

یعنی: میری وصیت یہ ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور محمد ﷺ کی سنت کو ضائع و برباد نہ کرو۔ ان دونوں ستونوں کو قائم برقرار رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کئے رہو۔

حضرت علیؑ نے حضور اکرم ﷺ کی سنت، سیرت اور اخلاق کی بالکل وہی تصویر کشی کی ہے جو قرآن نے کی ہے، درواقع آپ کے فرامین کا اصل مرجع قرآن کریم ہی تھا کہ جس کی آیتوں کے مقاصد کو آپ نے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت کی اتباع واجب ہے۔ کیونکہ رسول کی سیرت ایک ایسی پاک و پاکیزہ سیرت ہے کہ جس میں زندگی کے ہر ہر مرحلے کے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔ حضور کوئی بھی حکم دینے سے قبل، پہلے خود عمل کرتے تھے پھر دوسروں کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور یہ ایک نفسیاتی اصول بھی ہے کہ انسان اگر کسی سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ پہلے اس بات پر خود عمل کرے پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: كُونُوا دُعَاةَ النَّاسِ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُمْ لِيَرَوْا مِنْكُمُ الِاجْتِهَادَ وَ الصِّدْقَ وَ الْوَرَعَ؛(71) جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے کردار اور عمل سے اپنی طرف بلاؤ نہ کہ صرف زبان سے، تاکہ جب وہ تمہاری کوشش، سچائی اور تقوی کو دیکھیں تو خود بخود تمہاری طرف آ جائیں۔ یعنی

تمہارے قول و عمل میں یکسانیت دیکھ کر وہ خود بھی عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اور یقیناً اس کردار کا بہترین مصداق خود حضور اکرم ﷺ تھے۔

پیغامِ الٰہی کی تبلیغ میں امانت داری

حضور اکرم ﷺ مبعوث بہ رسالت ہونے سے پہلے بھی عرب کے معاشرے میں محمد امینؐ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ یعنی جس زمانے کو جاہلیت کا دور کہا جاتا ہے کہ جہاں کمزور کا مال چھیننے کو شجاعت سمجھا جاتا تھا، قافلوں کو لوٹا جاتا تھا اور امانتوں میں خیانت کی جاتی تھی، اُس معاشرے میں بھی حضور اکرم ﷺ کی امانتداری اتنی مشہور تھی کہ لوگ آپؐ کو "امین" کے لقب سے پکارتے تھے۔ تو امانتداری کی یہ صفت ایسی صفت ہے کہ جو ہمیشہ سے آپ کے اندر پائی جاتی تھی۔ تو جس صفت سے آپ ہمیشہ ہی متصف تھے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اعلان رسالت کے بعد آپ اس صفت سے متصف نہ ہوں، لہٰذا یقیناً آپ جہاں عام زندگی میں امانتداری کا خیال رکھتے تھے وہاں اللہ تعالی کے پیغام کو پہنچانے میں بطریق اولی امانتداری کا خیال رکھتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی طرف خود اللہ رب العزت نے اپنی کتاب میں بھی اعلان فرمایا ہے۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں حضور اکرم ﷺ کو امین قرار دیتا ہے: إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (72) کہ یقیناً یہ (قرآن) معزز فرستادہ کا قول ہے، جو قوت کا مالک ہے، صاحب عرش کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے، وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہیں۔

قبل از بعثت حضور اکرم ﷺ کے جملہ اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس میں آپؐ کی امانتداری کا بھی ذکر ہے۔

كان النبي ع قبل المبعث موصوفا بعشرين خصلة من خصال الأنبياء لو انفرد واحد بأحدها لدل على جلاله فكيف من اجتمعت فيه كان نبيا أمينا صادقا حاذقا أصيلا نبيلا مكينا فصيحا عاقلا فاضلا عابدا زاهدا سخيا كميا قانعا متواضعا حليما رحيما غيورا صبورا موافقا مرافقا لم يخالط منجما و لا كاهنا و لا عيافا۔ (73)

یعنی مبعوث بر سالت ہونے سے پہلے ہی حضور اکرم ﷺ کے اندر انبیاء کرام کے اندر پائی جانے والی بیس قسم کی صفات پائی جاتی تھیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی کے اندر پائی جائے تو اس کی عظمت اور بڑائی کے لئے وہی کافی ہے تو جس کے اندر یہ تمام صفات پائی جائیں وہ کیسا ہوگا۔ وہ صفات یہ ہیں: آپؐ نبی تھے، امین تھے، سچ بولنے والے (صادق)، ذہین، ولادت کی طہارت، شریف، مضبوط اور صاحبِ استقامت، فصیح و بلیغ، خیر خواہ، عقلمند، بافضیلت، عبادت گزار، زاہد، سخاوتمند، اسراف سے بچنے والے قناعت پسند، متواضع، بردبار، مہربان، باغیرت، صابر، موافق اور اچھے کردار کے مالک تھے کہ جس نے کبھی بھی ستارہ شناسوں، کاہنوں اور فال نکالنے والوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں رکھا۔

امام علیؑ نے بھی کئی مقامات پر اللہ تعالی کے پیغام کو امت تک پہنچانے کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کو واضح لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں: وَ نَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ غَيْرُهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِأَمْرِهِ صَادِعاً وَ بِذِكْرِهِ نَاطِقاً فَأَدَّى أَمِيناً وَ مَضَى رَشِيداً وَ خَلَّفَ فِينَا رَايَةَ الْحَقِّ مَنْ تَقَدَّمَهَا مَرَقَ وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا زَهَقَ وَ مَنْ لَزِمَهَا لَحِقَ ؛

یعنی: محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں۔ جنہیں اللہ نے اپنا امر واضح کر کے سنانے اور اپنا ذکر زبان پر لانے کے لئے بھیجا۔ آپؐ نے امانتداری کے ساتھ اسے پہنچایا اور راہ راست پر برقرار رہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے اور ہم میں حق کا وہ پرچم چھوڑ گئے کہ جو اس سے آگے بڑھے گا وہ (دین سے) نکل جائے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ مٹ جائے گا اور جو اس سے چمٹا رہے گا وہ حق کے ساتھ رہے گا۔

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں: أَمِينُ وَحْيِهِ وَ خَاتَمُ رُسُلِهِ ؛ (74) وہ اللہ کی وحی کے امانتدار اور اُس کے رسولوں کے آخری فرد تھے۔

ایک اور مقام پر تبلیغ پیغام الہی کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً ص نَذِيراً لِلْعَالَمِينَ وَ أَمِيناً عَلَى التَّنْزِيلِ؛ (75) اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں کو (ان کی بداعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔

امام علی ایک اور جگہ حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کی گواہی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ الصَّفِيُّ وَ أَمِينُهُ الرَّضِيُّ؛ (76) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور برگزیدہ رسول اور پسندیدہ امین ہیں۔

درود کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَ خَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُونِ؛ (77) وہ تیرے امین، معتمد اور تیرے علم مخفی کے خزینہ دار تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی تبلیغ کی شہادت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَبَلَّغَ رِسَالَاتِ رَبِّهِ غَيْرَ وَانٍ وَ لَا مُقَصِّرٍ؛ (78) آپؐ نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کو پہنچایا۔ نہ اس میں کچھ سستی کی نہ کوتاہی۔

ایک اور مقام پر تبلیغ رسالت کی صحیح انجام دہی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ قَائِماً بِأَمْرِكَ مُسْتَوْفِزاً فِي مَرْضَاتِكَ غَيْرَ نَاكِلٍ عَنْ قُدُمٍ وَ لَا وَاهٍ فِي عَزْمٍ وَاعِياً لِوَحْيِكَ حَافِظاً لِعَهْدِكَ؛ (79) جیسا ان پر ذمہ داری کا بوجھ عائد کیا گیا تھا، اس کو انہوں نے اٹھایا اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لئے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہو گئے، نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا، نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔ وہ تیری وحی کے حافظ اور تیرے پیمان کے محافظ تھے۔

توامام علیؑ نے جگہ جگہ تبلیغ پیغام الہی کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کو کھلے لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

حضور اکرم ﷺ پر نبوت کا خاتمہ (ختم نبوت)

حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اور آپؐ کے ذریعہ اللہ کے اس دین کی تکمیل ہو گئی ہے جس کی تبلیغ کا آغاز حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا اور جس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرامؑ نے زحمتیں برداشت کی تھیں اور اب ان سب کی محنت اور کوششوں کے بعد یہ دین ایک پھلدار درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا جس سے قیامت تک آنے والے بنی نوع انسان نے فائدہ اٹھانا ہے۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے اس دین کو جب اوج کمال تک پہنچایا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اپنی نبوتوں کا خاتمہ فرمایا اس لئے اب آپؐ کے بعد کوئی نبی قیامت تک نہیں آئے گا۔ پس آپؐ کی شریعت پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کرنے والی ہے اور اب قیامت تک آپؐ کی لائی ہوئی ہدایات عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں، لہٰذا آپ ﷺ خاتم المرسلین ہیں۔ قرآن کریم میں بھی اللہ رب العزت نے واضح الفاظ میں آپ ﷺ کی خاتمیت کا اعلان فرمایا ہے: ما كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَسُولَ اللهِ وَ خاتَمَ النَّبِيّينَ وَ كَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً۔ (80) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنی نبوت اور رسالت کی خاتمیت کا اعلان کئی موقعوں پر فرمایا ہے، مثلاً حدیث منزلت حضرت علیؑ سے خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: یا علی انت منّی بمنزلة هارون من موسیٰ الّا انّه لا نبیّ بعدی۔ (81)

جب ہم حضور اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت علیؑ کے فرمودات پڑھتے ہیں تو کئی مواقع پر ہمیں حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت کا تذکرہ بھی نظر آتا ہے۔ امیر المؤمنینؑ اپنے مختلف خطبوں میں اس نکتے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: أَرْسَلَهُ عَلَى حِينِ فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ وَ تَنَازُعٍ مِنَ الْأَلْسُنِ فَقَفَّى بِهِ الرُّسُلَ وَ خَتَمَ بِهِ الْوَحْيَ؛ (82) اللہ نے آپؐ کو اُس وقت بھیجا جبکہ رسولوں کی بعثت کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور لوگوں میں جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔ چنانچہ آپؐ کو سب رسولوں سے آخر میں بھیجا، اور آپ کے ذریعہ سے وحی کا سلسلہ ختم کیا۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا: أَمِينُ وَحْيِهِ وَ خَاتَمُ رُسُلِهِ وَ بَشِيرُ رَحْمَتِهِ وَ نَذِيرُ نِقْمَتِهِ؛ (83)
یعنی: وہ اللہ کی وحی کے امانت دار اور اس کے رسولوں کے آخری فرد، اُس کی رحمت کا مژدہ سنانے والے اور اُس کے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآنی اصطلاح "خاتم النبیین" کو ہی استعمال فرمایا ہے: أَيُّهَا النَّاسُ خُذُوهَا عَنْ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ ص إِنَّهُ يَمُوتُ مَنْ مَاتَ مِنَّا وَ لَيْسَ بِمَيِّتٍ وَ يَبْلَى مَنْ بَلِيَ مِنَّا وَ لَيْسَ بِبَالٍ؛ (84)

یعنی: اے لوگو! خاتم النبیین ﷺ کے اس ارشاد کو سنو کہ (انہوں نے فرمایا) ہم میں سے جو مر جاتا ہے وہ مردہ نہیں ہے اور ہم میں سے (جو بظاہر مر کر) بوسیدہ ہو جاتا ہے، وہ حقیقت میں کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔

ایک اور مقام پر حضور اکرم ﷺ کے ختم نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ؛ (85) (اے اللہ) اپنی پاکیزہ رحمتیں اور بڑھنے والی برکتیں قرار دے اپنے عبد اور رسول محمد ﷺ کے لئے جو پہلی (نبوتوں کے) ختم کرنے والے ہیں۔

پھر ایک اور مقام پر فرمایا: إِلَى أَنْ بَعَثَ اللهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّداً رَسُولَ اللهِ ص لِإِنْجَازِ عِدَتِهِ وَ إِتْمَامِ نُبُوَّتِهِ مَأْخُوذاً عَلَى النَّبِيِّينَ مِيثَاقُه؛ (86) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد اور اتمام نبوت کے لئے محمد ﷺ کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا۔

دوسری جگہ حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ اتمام حجت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حَتَّى تَمَّتْ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ص حُجَّتُهُ وَ بَلَغَ الْمَقْطَعَ عُذْرُهُ وَ نُذُرُهُ؛ (87) یہاں تک کہ ہمارے نبی ﷺ کے ذریعہ وہ حجت (پوری طرح) تمام ہو گئی اور حجت پورا کرنا اور ڈرادیا جانا اپنے نقطہ اختتام کو پہنچ گیا۔ دراصل یہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے انبیاء کرام کے ذریعہ اب حجت تمام کرنے کا سلسلہ پایہ تکمیل تک پہنچایا لہٰذا اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے موقع پر آپ ﷺ کو غسل و کفن دیتے وقت بھی ختم نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَ الْإِنْبَاءِ وَ أَخْبَارِ السَّمَاءِ؛ (88)

یعنی: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپؐ کے رحلت فرمانے سے نبوت، خدائی احکام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ قطع ہو گیا جو کسی اور (نبی) کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا۔

لہٰذا حضور اکرم ﷺ پر نبوت اور رسالت کا خاتمہ ایسا مسلم اور اٹل عقیدہ ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان فرمایا ہے، اور امام علیؑ نے بھی اپنے مختلف خطبوں میں اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۰
2۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۳
3۔ خطبہ ۱۰۶
4۔ خطبہ ۱
5۔ خطبہ ۱۵۹
6۔ خطبہ ۹۲
7۔ خطبہ ۱۴۹
8۔ خطبہ ۲۱۳
9۔ خطبہ ۹۲
10۔ خطبہ ۱
11۔ خطبہ ۲۱۱
12۔ خطبہ ۱۰۳

13- خطبہ ۹۴
14- آل عمران، آیت ۱۶۴
15- حدید، آیت ۲۵
16- نحل، آیت ۳۶
17- نحل، آیت ۴۴
18- خطبہ ۱۷۶
19- خطبہ ۸۱
20- اصول کافی، محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ھ ق)، ج ۲، ص ۴۷، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵ھ ش؛ اعلام الدین، حسن بن ابی الحسن دیلمی (متوفی ۸۴۱ھ ق)، ص ۳۴۲، مؤسسہ آل البیتؑ، قم، ۱۴۰۸ھ ق؛ المحاسن، احمد بن محمد بن خالد برقی (متوفی ۲۷۴ھ ق)، جلد ۱، ص ۲۷۸، دار الکتب الاسلامیہ، قم، ۱۳۷۱ھ ق، عدۃ الداعی، ابن فہد حلی (متوفی ۸۴۱ھ ق)، ص ۸۳، دار الکتاب الاسلامی، ۱۴۰۷ھ ق۔
21- نہج البلاغہ، خطبہ ۲
22- خطبہ ۱۹۶
23- خطبہ ۲۶
24- خطبہ ۲
25- خطبہ ۱
26- خطبہ ۳۳
27- خطبہ ۱۴۹
28- ابن میثم بحرانی، شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۲۲۲، دفتر نشر کتاب، ۱۴۰۴ھ ق۔
29- نہج البلاغہ، خطبہ ۷۰
30- خطبہ ۱۰۴
31- خطبہ ۲۱۱
32- خطبہ ۹۴
33- خطبہ ۱۵۹
34- خطبہ ۱۸۳
35- خطبہ ۱۹۳
36- کشف الغمہ، علی بن عیسیٰ اِربلی (متوفی ۶۹۳ھ ق)، ج ۲، ص ۵۷۳، مکتبۃ بنی ھاشمی، تبریز، ۱۳۸۱ھ ق؛ مناقب آل ابی طالب، محمد بن شہر آشوب مازندرانی (متوفی ۵۸۸ھ ق)، ج ۳، ص ۲۴۷، مؤسسہ انتشارات علامہ، قم، ۱۳۷۹ھ ق
37- ھود، آیت ۱۱۲
38- نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲
39- شرح نہج البلاغہ، عبد الحمید ابن ابی الحدید معتزلی (متوفی ۶۵۶ھ ق)، جلد ۱۰، ص ۱۶۵، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ھ ق۔
40- نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۸
41- خطبہ ۷۰
42- خطبہ ۱۱۴
43- نہج البلاغہ، مکتوب ۹
44- نہج البلاغہ، غریب کلام ۹
45- ایضاً
46- انبیاء، آیت ۱۰۷
47- المیزان، محمد حسین طباطبائی، جلد ۱۴، ص ۳۳۱، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، ۱۴۰۷ھ ق۔
48- آل عمران، آیت ۱۵۹
49- توبہ، آیت ۱۲۸
50- نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۶
51- خطبہ ۱۰۴
52- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۹۲۔
53-
53- شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۱، ص ۲۲۱؛ ارشاد القلوب، حسن بن ابی الحسن دیلمی (موفی ۸۴۱ھ ق)، ج ۱، ص ۱۳۴، انتشارات شریف رضی، ص ۱۴۱۲ھ ق۔
54- غافر، 39
55- اصول کافی، یعقوب کلینی، جلد ۲، ص ۱۳۴؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، جلد ۱۹، ص ۳۲۹؛ مجموعۃ ورام، ورام بن ابی فراس (متوفی ۶۰۵ھ ق)، جلد ۱، ص ۷۸، انتشارات مکتبۃ الفقیہ، قم، کشف الغمہ، علی بن عیسی اربلی، جلد ۱، ص ۹۔
56- نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۷
57- خطبہ ۱۵۸
58- خطبہ ۱۵۸
59- النہایۃ فی غریب الحدیث، مجد الدین ابن اثیر، مادہ "سنن"، دار احیاء التراث، بیروت
60- احزاب، آیت ۲۱
61- القلم، آیت ۴
62- حشر، آیت ۷
63- نساء، آیت ۵۹
64- آل عمران، آیت ۳۱
65- الامالی، شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ھ ق)، ص ۱۸۸، کنگرہ شیخ مفید، قم، ۱۴۱۳ھ ق۔
66- نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۸
67- خطبہ ۱۵۸
68- خطبہ ۱۵۸
69- نہج البلاغہ، مکتوب ۵۳
70- خطبہ ۱۴۷
71- بحار الانوار، علامہ باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ ق)، جلد ۶۷، ص ۳۰۹، مؤسسۃ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۴ھ ق؛ مشکاۃ الانوار، ابو الحسن علی بن حسن طبرسی (متوفی ۶۰۰ھ ق)، ص ۴۶، کتابخانہ حیدریہ، نجف، ۱۳۸۵ھ ق۔
72- تکویر، ۱۹-۲۱
73- مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۲۳
74- خطبہ ۱۷۱
75- خطبہ ۲۶
76- خطبہ ۱۸۳
77- خطبہ ۷۰
78- خطبہ ۱۱۴
79- خطبہ ۷۰
80- احزاب، ۴۰
81- اصول کافی، محمد بن یعقوب کلینی، جلد ۸، ص ۱۰۶؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، جلد ۵، ص ۲۴۷، شواہد التنزیل، حاکم حسکانی (متوفی ۴۹۰ھ ق)، جلد ۲، ص ۳۵، مؤسسہ چاپ و نشر، ۱۴۱۱ھ ق؛ اعلام الوری، فضل بن حسن طبرسی (متوفی ۵۴۸ھ ق)،

ص۱۶۷، دار الکتب الاسلامیہ، تہران؛ تحف العقول، حسن بن شعبہ حرانی، ص۴۵۸، انتشارات جامعہ المدرسین، قم، ۱۴۰۴ھ ق۔

82۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۱
83۔ خطبہ ۱۷۱
84۔ خطبہ ۸۵
85۔ خطبہ ۷۰
86۔ خطبہ ۱
87۔ خطبہ ۸۹
88۔ خطبہ ۲۳۲